

# فقروفاقہ اور اُس کا اسلامی حل

— یوسف قزوئی —

تلخیص و ترجمہ: عبد الحمید صدیقی

(۲)

جبریت کا نقطہ نظر اور اسلام | فقروفاقہ کے متعلق جبریت کے نقطہ نظر کی طرح اسلام ربانیت کے نقطہ نظر کی بھی تردید کرتا ہے۔ جبر لوہوں کے خیال کے مطابق دو تہذیبوں کے درمیان جو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے دو تہذیبوں سے اور فقیر بھی اُس کی مشیت سے فقرو عسرت کی زندگی بسر کر رہا ہے، لہذا ہر شخص کو راضی برضا رہنا چاہیے اور اپنی حالت کو بدلنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

جبر یہ کہ یہ نقطہ نظر اصلاح احوال کی ہر کوشش کی راہ میں سنگ گراں کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اس کو اپنا لیا جاتے تو معاشرے سے ظلم و جور کا خاتمہ کر کے وہ مطلوبہ اجتماعی انصاف حاصل نہیں ہو سکتا جو انسانی زندگی کے تحفظ و بقا کے لیے ضروری ہے۔ دو تہذیبوں کے درمیان جو اپنے خبیث باطن کے سبب رواج و تباہی ہے، فقیر و تنگ دست محض جہالت اور دھوکے سے اسے قبول کرتا ہے اور بعض متدین لوگ غفلت یا منافقت کے سبب اس نقطہ نظر کی رو میں بہ رہے ہیں۔

نزولِ قرآن کے وقت یہ نظریہ اُس وقت کے معاشرے میں موجود تھا اور قرآن مجید نے اس کو صریح گمراہی سے تعبیر کیا۔ فرمانِ الہی ہے:

وَاذْ قَبِيلَ لَهُمَا نَقِبُوا اسْتَارَ رَزَقَكُمْ  
 اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا انْطَعِمُوا  
 مَن لَوْ شَاءَ اللَّهُ اطْعَمَهُ اِنْ اَشْتُمْنَا لَافِي

اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ خرچ کرو اُس میں سے جو رزق دیا اللہ نے تم کو۔ تو کہتے ہیں کافر لوگ ان سے جو ایمان لائے ہیں کیا ہم کھلائیں اس کو کہ اگر

ضَلَالٍ مُّبِينٍ - (سورۃ یس : ۴۷)

اللہ چاہتا تو کھلا سکتا تھا اُس کو - تم تو صریح گمراہی میں ہو۔

واقعی اس سے بڑھ کر صریح گمراہی اور کیا ہوگی کہ خود غرض لوگ مشیتِ الہی کو اپنی اندھی خواہشاتِ نفسانی کے لیے بہانا بنانا چاہیں۔ اُن کی رائے میں اگر اللہ تعالیٰ کسی نادار اور محتاج کو کھلانا چاہے تو اس کے لیے آسمان سے روٹی اور سالن یا کچی اور شہد اتارے۔ اگر وہ عقل و انصاف سے کام لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے رزق دیتا ہے اور اگر ایک صاحبِ حُشیت آدمی کسی محتاج و بیکس کی ضرورت پوری کرتا ہے تو وہ درحقیقت مشیتِ الہی ہی سے ایسا کرتا ہے۔ اسلام اس حقیقت کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہر پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلے کا اس کائنات میں ایک حل موجود ہے۔ جس ذاتِ یے ہمتا نے بیماری کو پیدا کیا ہے اسی نے دوا بھی پیدا فرمائی ہے۔ جس نے مرض کو پیدا کیا ہے اسی نے علاج بھی پیدا کیا ہے۔ مرض بھی اللہ ہی کی تقدیر سے ہے اور علاج بھی۔ اور ایک تچا مومن تقدیرِ الہی کی مدد ہی سے تقدیرِ الہی کو مالتا ہے جیسے بھوک کو غذا سے اور پیاس کو پانی وغیرہ سے دُور کرتا ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دبا سے بچنے کے لیے اپنے ساتھیوں کو لے کر شام سے واپس آئے تو اُن سے کہا گیا ”اے امیر المؤمنین کیا تقدیرِ الہی سے بھاگتے ہیں؟“ آپ نے فرمایا ”ہاں، ہم تقدیرِ الہی سے تقدیرِ الہی کی طرف بھاگتے ہیں۔“ اس واقعہ سے بھی پہلے ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دواؤں اور تعویذوں کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا ان میں سے کوئی تقدیرِ الہی کو کچھ بھی ٹال سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ”یہ بھی تو تقدیرِ الہی سے ہیں۔“ پس جب فقر وفاقہ ایک بیماری ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دوا بھی پیدا فرمائی ہے۔ فقر وفاقہ اگر تقدیرِ الہی سے ہے تو اس کا مقابلہ کرنا اور اس سے چھٹکارا پانا بھی تقدیرِ الہی سے ہی ہے۔

فناعت کی حقیقت | جہاں تک اُن احادیث کا تعلق ہے جن میں فناعت اور راضی برضا رہنے کی ترغیب ہے ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تنگ دست و محتاج لوگ ذلت و ناداری کی زندگی پر راضی ہو جائیں۔ نہ ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ حلال دولت، خوشحالی اور آرام وہ زندگی کے حصول کی کوشش بالکل چھوڑ

دیں اور نہ ان کا مطلب یہ ہے کہ دو متمندوں کو اپنے عیش و تنعم میں پڑا رہنے دیا جائے کہ دولت کا بے جا استعمال کر کے حرب وادعیش دیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے تقویٰ کے ساتھ ساتھ خوشحال بھی مانگا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے یوں دعا کی تھی: اللَّهُمَّ اكْثِرْ مَالَهُ (اے اللہ! اس کو مال فراواں دے!)۔ اور اپنے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا: "ما نفعني مال كمال ابى بكر دجھے ابوبکر کے مال کی طرح کسی کے مال نے فائدہ نہیں پہنچایا)۔ آنحضرت صلعم کے ان ارشادات کے پیش نظر پھر قناعت کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ ہمارے خیال میں قناعت سے مراد مندرجہ ذیل دو باتیں ہیں:

(۱) انسان طبعاً لالچی اور دنیا کا حریص ہے۔ وہ دنیاوی مال و متاع سے کبھی سیر نہیں ہوتا۔ حدیث نبوی میں انسان کی اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا گیا ہے: "اگر ابن آدم کو سونے کی دو دو اداں مل جائیں تو وہ تیسری کی خواہش کرے گا۔ اور اگر تیسری بھی مل جائے تو وہ ایک چوتھی کی خواہش کرے گا۔ ابن آدم کا پیٹ تو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ یعنی زیر خاک جانے کے بعد ہی حرص و آرزو کا یہ سلسلہ ختم ہو سکتا ہے۔ دین کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کی طلب دولت میں اغتدال پیدا کر کے اور طلب رزق میں حلال ذرائع اختیار کرنے کی طرف رہنمائی کرے۔ دین ہی انسان کی زندگی میں ایک توازن پیدا کرتا ہے اور اس کو سکون و اطمینان سے ہم کنار کرتا ہے۔ وہ اس کو ان فرط و نفراط سے محفوظ رکھتا ہے جو انسانی رُوح اور بدن دونوں کو کمزور کر دیتے ہیں۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "بجبر علی ابن علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کوئی شخص اس وقت تک ہرگز نہیں سرکتا جب تک کہ اس کا دانا پانی پورا نہ ہو جاتے۔ لہذا خدا تعالیٰ سے ڈرو اور طلب رزق میں حلال ذرائع اختیار کرو"۔ اگر انسان کو حرص و آرزو کے میلانات کا تابع بن کر رہنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ نہ صرف اپنے لیے بلکہ سارے معاشرے کے لیے ایک مستقل خطرہ بن جاتا ہے۔ لہذا ناگزیر ہے کہ اس کے میلان طبع کو بلند ترین اقدار، ابدی تحقیقتوں اور دائمی رزق کی طرف موڑ دیا جائے۔ یہ کام

صرف دین ہی کر سکتا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

وَلَا تَدْعُ سَبِيحَتِكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا  
مِنْهُمْ سَرَ حَرَةً الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَقْتَنِمَهُمْ فِيهِ  
وَدَرْزُقُ رَبِّكَ خَيْرًا وَيَقِي - (سورہ طہ: ۱۳۱)

اور نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیاوی زندگی کی  
اُس شان و شوکت کی طرف جو ہم نے ان میں سے  
مختلف لوگوں کو دے رکھی ہے۔ وہ تو ہم نے انہیں  
آزمائش میں ڈالنے کے لیے ہی دے رکھی ہے اور تیرے رب کا دیا ہوا رزقِ حلال ہی بہتر اور پائندہ تر ہے۔

رَبِّتِ لِلنَّاسِ حُبَّ الشَّهَوَاتِ مِنَ  
النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُعْتَدَةِ مِنَ  
الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ  
وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ  
حَسَنُ الْمَآبِ - قُلْ أُوذِيْتُ مِنَ الْكُفْرِ  
بِالَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتِ تَجْرِي  
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَ  
أَمْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ  
وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ - (آل عمران: ۱۴، ۱۵)

لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس، عورتیں، اولاد  
سونے، چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی  
اور زرعی زمینیں، بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں مگر  
یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔  
حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ تو اللہ کے پاس  
ہے۔ کہو: میں تمہیں بتاؤں کہ ان سے زیادہ اچھی  
چیز کیا ہے؟ جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں  
ان کے لیے ان کے رب کے پاس باغات ہیں  
جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں انہیں پیشگی

کی زندگی حاصل ہوگی۔ پاکیزہ بیویاں ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے۔ اور اللہ  
بندوں کے حال پر نگاہ رکھتا ہے۔

ایمان کا یہ کام ہے کہ وہ دلوں کو مذہب کی ابدی اقدار، باقی رہنے والے دارِ آخرت اور اللہ تعالیٰ و  
قیوم کی طرف متوجہ کر دے اور مومن کو یہ تعلیم دے کہ تو نگری کثرتِ مال و متاع میں نہیں بلکہ دل کی  
دولت میں ہے۔ جیسا کہ حدیثِ نبویؐ میں وارد ہے۔ كَيْفَ الْعِغْيَا عَنِ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، اِثْمًا  
الْعِغْيَا عَنِ النَّفْسِ، یعنی تو نگری بدل است نہ مال۔

قناعت اور مال و دولت کی تقسیم الہی پر راضی رہنے سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کا رزق میں ایک

دوسرے پر تفوق صلاحیتوں اور قابلیتوں میں تفوق دہر تری کے مانند ہے اور یہ بات اس دنیاوی زندگی کے مزاج و فطرت اور اس میں انسان کے اعمال و فرائض کا تقاضا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو ارادہ و اختیار کی قوت دے کر اُسے ابتلاء و امتحان میں ڈالا ہے اس کا بھی یہ تقاضا ہے کہ انسانوں میں فرق مراتب ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ وَالرَّحْمٰنُ عَلِيْمٌ (۱)

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت عطا کی ہے۔

تیرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کثا وہ کثا کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ ۗ اِنَّهٗ كَانَ بَعِيْدًا  
وَجِي اٰرۡسِلِ، ۳۰)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ اٰلِهٖ فِي الرِّسَالَةِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ فِي دَرَجٰتٍ لِّيُبَيِّنَ لَكُمْ فِيمَا اُنۡتُمْ فِيهَا مُتَفٰتِرٰتٌ (الانعام: ۱۶۵)

وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنا یا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دیتے۔ تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔

جس طرح انسانوں میں بعض سہل قدمی اور بعض دراز قدمی، بعض بصورت ہیں اور بعض خوب صورت، بعض گندہ زمین ہیں اور بعض زیرک اور بعض کمزور ہیں اور بعض طاقتور، اسی طرح بعض تنگ دست ہیں اور بعض کثا وہ رزق۔ یہ زندگی کے مزاج و فطرت کے مطابق ہے اور یہ سنت اللہ ہے جسے کسب و کسب بالکل نہیں بدل سکے باوجود اس کے کہ وہ انسانوں کے درمیان معاشی و اقتصادی اوپن مارکیٹ کو ختم کئے مساوات قائم کر دینے کے بارے میں بڑے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔

اسلام کی تعلیم قناعت کا مقصود | اسلام کا مقصد مسلمان کو حقیقت پسند بنانا ہے کہ وہ زندگی کو وہی سمجھے جو وہ ہے اور کسی جھوٹے دہم میں پڑ کر اپنی زندگی کو غم و اندوہ اور مصائب و آلام میں مبتلا

نہ کرے نیز اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان دوسرے کے مال و دولت کی طرف کسی ایسے حاسد کی نگاہ سے نہ دیکھے جس کے دل کو حسد کی آگ کھا رہی ہو، جس کا سینہ عداوت و نفرت کے جذبات سے اُبلتا پڑ رہا ہو اور جس کے دل میں حرص و آز موجزن ہو۔ کیونکہ دوسرے کے مال و متاع کی طرف یوں دیکھنا شقاوت و بدبختی کو دعوت دینا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ انسان پہلے اُن بہت سی نعمتوں پر نگاہ ڈالے جن سے اُسے سرفراز کیا گیا ہے، پھر اپنے سے کم تر انسان کی طرف دیکھے جو ان نعمتوں سے محروم ہے، تاکہ اُسے خوشی و مسرت کے ساتھ ساتھ اطمینانِ قلب بھی نصیب ہو۔

فناعت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کے عطا کردہ رزق پر راضی ہو جائے۔ اور جو اُسے میسر نہیں آسکتا اُس کی خواہش نہ کرے اور نہ اس چیز پر نگاہ رکھے جو دوسروں کو عطا کی گئی ہے۔ میسر نہ آسکنے والی شے کی خواہش کرنا بالکل ایسا ہے جیسے کوئی پیر فرشتہ جو انی کی خواہش کرے یا کوئی بدستور کسی خوبصورت کو حسد کی نگاہ سے دیکھے یا کوئی ٹھنڈا کسی لمبے قد کے آدمی کو حسرت و حسد سے دیکھے یا کوئی بے آب و گیاہ قطعہ ارضی پر رہنے والا بدو و خوشمالی اور ناز و تقم کی زندگی بسر کرنے کی خواہش رکھے وغیرہ۔ عہد نبوی میں بعض عورتوں نے یہ خواہش کی تھی کہ اُن کے بھی وہی حقوق ہونے چاہئیں جو مردوں کے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی تھی۔

وَلَا تَسْتَمْنُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى الْبَعْضِ وَلِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ - (سورۃ النساء: ۳۲)

اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو جو کچھ مردوں نے کیا ہے اس کے مطابق اُن کا حصہ ہے۔ اور جو کچھ عورتوں نے کیا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ۔ ہاں اللہ سے اس فضل کی دعا مانگتے رہو۔

عزت و تنگ دستی کی حالت میں جس سے افراد دوچار ہو جاتے ہیں اور تنگ اور قحط کے پیدار ہو جاتے ہیں ان میں جن سے فرمایا دوچار ہوتی ہیں اور ان ممالک اور ریاستوں میں جہاں لوگوں کی فلاح

بہبود کے لیے قدرتی وسائل کی کمی ہوتی ہے اور لوگ اپنے رزق کو بڑھانے کا کوئی ذریعہ نہیں پاتے، قناعت ہی ایک موثر دوا اور شفا بخش مرہم ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ناممکن الحصول چیز کی تمنا اور بے شرحص وائزائا انسانی طبیعت کو غم و اہم کی آماجگاہ بنا دیتی ہے۔ ایسے لالچی اور حرصیں لوگوں کو یہ جاننے اور اس پر یقین کرنے کی ضرورت ہے کہ خوش حالی دنیاوی ساز و سامان کی زیادتی میں نہیں بلکہ یہ نفس انسانی کے اندر ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”دنیاوی مال و دولت اور ساز و سامان کی خدائی تقسیم پر راضی ہو جاؤ تم غنی ترین انسان بن جاؤ گے“ ایک دوسری حدیث میں ارشادِ نبوی ہے: ”جو مسلمان ہو گیا اور اس کے پاس گزارے کے لیے روزی ہے اور وہ اُس پر راضی ہو گیا دیا قانع ہو گیا، تو وہ یقیناً نلاج پا گیا، مَا قُلَّ وَكَفَى حَیْرَتِمَا كَثُرَ وَاطْمَأْنَنَ (حسب ضرورت تھوڑی چیز اُس زیادہ سے بہتر ہے جو بہت ہو مگر آدمی کو غفلت میں مبتلا کر دے)۔“

فرمانِ خداوندی ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ  
 وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّاهُ حَيَاتًا طَيِّبَةً۔  
 جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا  
 عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، اُسے ہم دنیا میں  
 پاکیزہ زندگی بسر کرانیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت میں پاکیزہ زندگی کو قناعت کی زندگی سے تعبیر کیا ہے۔ انفرادی احسان کا نظریہ اور اسلام | اسلام اگرچہ اہل ثروت کو صدقہ و خیرات کی دعوت دینے، کمزوروں کی غم گساری پر ابھارنے اور فقر و فاقہ میں مبتلا افرادِ معاشرہ کی طرف دستِ اعانت پھیلانے کی ترغیب دینے میں بظاہر تیسرے گروہ یعنی انفرادی احسان کے حامیوں کا ہم نوا نظر آتا ہے، مگر وہ اس بات کا ہرگز قائل نہیں ہے کہ محض انفرادی صدقہ و احسان پر انحصار کر کے معاشرے کے تنگ دست اور نادار افراد کو اہل ثروت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ خاص طور پر انفرادی احسان ایسے حالات میں تو بالکل ہی ناقابلِ اعتماد ہو جاتا ہے جبکہ دل سخت اور ایمان کمزور ہو گئے ہوں اور ذہنِ ضمیر پر حرص و آرزو اور انایت کا غلبہ ہو، اور مال کی محبت اہل مال کے نزدیک اللہ اور اس

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے بھی بڑھ گئی ہو۔ دورِ جاہلیت کا معاشرہ کچھ اسی قسم کا ہو چکا تھا جسے قرآن مجید نے یوں مخاطب فرمایا ہے:

ہرگز نہیں بلکہ تم عزت نہیں کرتے تمیم کی اور ترغیب نہیں دیتے مسکین کو کھانا کھلانے کی، اور سیت کا ترکہ سب سیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو۔

كَلَّا بَلْ لَا تَنْكُرُمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَحَامِلُونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمَسْكِينِ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا۔ (الفجر ۱۷-۲۱)

ڈاکٹر ابراہیم لبان نے محتاجوں اور ناداروں کے حقوق پر بحث کرتے ہوئے انفرادی احسان کا یوں تجزیہ کیا ہے:

”انفرادی احسان کا یہ تصور وہ قدیم ترین ذریعہ ہے جسے سارے آسمانی مذاہب سوسائٹی میں فقر وفاقہ کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں اور انسانیت تنگ دستی و عسرت کا مقابلہ کرنے اور فقراء و مساکین کی امداد کرنے کے لیے جس پر ایک لمبے عرصہ تک انحصار رکھتی رہی ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ انفرادی احسان باوجود اپنی نہراہم خیوں کے فقر وفاقہ کی مکمل طور پر بیخ کنی نہیں کر سکا اور ناداروں اور محتاجوں کی زندگی کو اس حد تک بلند نہیں کر سکا کہ اُسے ایک باعزت انسانی زندگی کہا جاسکے۔ اندریں حالات یہ ضروری ہے کہ ہم انفرادی احسان کے اس تصور کی حقیقت معلوم کریں اور اس کے خصائص سے آگاہی حاصل کریں اور اس کے فقائق کی نشاندہی کریں تاکہ ہمارے لیے ان اسباب کو گننا آسان ہو جائے جو معاشرے کو فقر وفاقہ کی بُرائیوں سے پاک کرنے میں اس تصور کی ناکامی کے باعث ہوئے ہیں۔“

زندگی میں واجب امور کی عام طور پر دو قسمیں سمجھی جاتی ہیں۔ ایک فرض، دوسری حق خرید و فروخت کے معاملہ میں کسی فردخت کردہ یا خرید کردہ شے کی قیمت خریدنے والے پر فرض ہوتی ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے مگر وہی قیمت بیچنے والے کا حق ہوتی ہے



جس کا وہ مطالبہ کر سکتا ہے اور مندرجہ ذیل دو عوامل اس کے اس حق کی تقویت کا باعث ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس حق کے پیچھے ایک مطالبہ کرنے والا موجود ہوتا ہے جو اس کو طلب کر سکتا ہے اور اُسے ضائع ہونے یا نظر انداز کر دیئے جانے سے محفوظ رکھتا ہے۔

دوسرے یہ کہ حکومت وقت خود اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے کہ حقدار کو اس کا حق پہنچائے۔ ہم پورے وثوق سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ باہمی لین دین کے معاملے میں کامیابی کا ضامن ادائیگی فرض کے تصور کے ساتھ حق کو حقدار تک پہنچانے کا تصور بھی ہے معاشی لین دین کے معاملے میں صرف فرض کی ادائیگی کا تصور کبھی کامیابی کا ضامن نہیں ہو سکتا۔

واجب امور کی مذکورہ بالا بحث کو سمجھنے بغیر انفرادی احسان کے تصور کو سمجھنا مشکل ہے۔ انفرادی احسان کو اکثر لوگ دینے والے کا فرض تو سمجھتے ہیں مگر لینے والے کا حق نہیں سمجھتے۔ اسی لیے جس زمانے میں انفرادی احسان کا تصور رائج تھا، محتاج و تنگ دست اس شعور سے بالکل عاری تھا کہ مالدار پر اس کا کوئی حق ہے جس کا وہ مطالبہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ بہت سے مالدار لوگ اس کو بالکل نظر انداز کر دیتے تھے، بغیر اس کے کہ فقراء و مساکین اپنے حق کا مطالبہ کریں یا حکومت وقت اُن کے اس حق کو حاصل کر کے اُن تک پہنچائے۔“

فوری معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا بحث میں اس بات کا اضافہ کر دیا جائے کہ انفرادی احسان میں وہ ضروری شرائط موجود نہیں ہیں جو حکومت وقت کی اس معاملے میں دخل اندازی کے لیے درکار ہوتی ہیں حکومت واضح شرائط کے تحت ایک مقررہ رقم بطور ٹیکس وصول کر سکتی ہے مگر وہ انفرادی احسان وصول نہیں کر سکتی، اس لیے کہ اس میں کوئی مقررہ مقدار نہیں ہوتی اور نہ اس بات کی کوئی وضاحت ہوتی ہے کہ کس پر انفرادی احسان واجب ہے اور کب واجب ہے، یوں انفرادی احسان کی حیثیت محض ایک ایسے فرض کی رہ گئی جو اتنی قوت نہیں رکھتا تھا کہ غریبوں اور محتاجوں کا حق کہلا سکے۔ کیونکہ نہ اُس کی کوئی مقدار تھی اور نہ حکومت وقت اُسے جمع کر کے مستحقین میں تقسیم کرنے کا اختیار رکھتی تھی۔ دولت مند طبقہ بجائے خود اگر اپنی ذمہ داری سمجھ کر غریب و مساکین کی مدد کر دے تو معاملہ ٹھیک ہو جائے ورنہ نہیں مگر انسان طبعی طور پر مال سے محبت رکھتا ہے اور اس کو خرچ کرنے سے گریز کرنا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ آہستہ آہستہ انفرادی احسان کو بالکل